مسلمان عورتوں کی بہادری

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ

۱۰اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا، تمام ملک میں وطن اور قوم کی جی پکاری جانے لگی اور ہر شخص اپنے ملک پر جان فدا کرنے پر مستعد ہو گیا، اس موقع پر جنس انسانی کے ایک کمزور اور نازک طبقہ نے بھی حتی الامکان وطن کے لئے جان فروشی کی۔

عورتوں اور ضعیف بچوں کی سرفروشی اور کیا ہو سکتی تھی، انہوں نے مجروح سپاہیوں کی خدمت کی، کونٹسٹ بیوریٹا نے عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ترتیب دی، جن کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ موقع جنگ پر سپاہیوں کو کھانا پہنچائیں، زخمی سپاہیوں کو میدان کارزار سے اٹھالائیں، اور ان کی تیمارداری کریں اور ان کی مرہم پٹی کریں۔

اسی جنگی تاریخ کا ایک پرفخر واقعہ یہ ہے کہ اگسٹینا زرالوزا ایک دن ایک سپاہی کا کھانا لے جارہی تھی، کہ اثنائے راہ میں ایک خوفناک سین اس کو نظر آیا، عین معرکہ میں ایک گولہ انداز سپاہی کو گولی لگی اور وہ گر گیا، دوسرے سپاہی کھڑے ہیں، اور ہمت کرتے ہیں کہ مقتول سپاہی کی جگہ کھڑے ہو کر دشمن کو ادھر آنے سے روکیں، مگر بندوق کی گولیاں اِن زوروں سے برس رہی تھیں، کہ آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے قدم ڈگ رہے تھے، بہادر اگسٹینا دوڑ کر مقتول سپاہی کی جگہ پر پہنچی، اور اس توپ میں جس کو مقتول سپاہی نے ٹھیک دشمنوں کے نشانے پر رکھا تھا، دیا سلائی لگا دی اور اخیر معرکہ تک اس کا دستِ ہمت شل نہ ہوا، اور وہ برابر کام کرتی رہی۔

اختتامِ جنگ پر اگسٹینا کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کی طرف سے یہ خدمت ادا کی، جس کی مردہ لاش توپ کے پیچھے پڑی تھی، ملک وقوم نے اگسٹینا کی اس خدمت کو اس نگاہ عزت سے دیکھا کہ جب تک وہ زندہ رہی، سلطنت سے اس کو وظیفہ ملتا رہا، یورپین اربابِ قلم نے گولڈن ڈیڈس کے سب سے قیمتی اور قابلِ عزت سلسلۂ واقعات میں اس کا ذکر کیا۔

جان آف آرک یورپ کی ایک بہادر عورت تھی، جس نے مردانہ لباس پہن کر بطور سپہ سالار کے ۱۴۲۸ء میں آرلینس کا محاصرہ کیا، پیٹے کی لڑائی میں انگریزوں کو شکست دی، اور چارلس ہفتم کو تخت پر بٹھایا، ۱۴۳۱ء میں اس جرم پر

کہ اس میں یہ مافوق الفطرۃ قوت بزور سحر ہے، جلادی گئی، جان کے کارناموں کی انتہائے شہرت یہ ہے کہ اسکول کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے، اور اب ۱۹۲۰ء میں یورپ نے اس کے ولید ہونے کو تسلیم کرلیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں ہماری قومی تاریخوں میں اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان ان سے آشنا نہیں ہیں، اور افسوس ہے کہ نہیں ہیں، اسلام سے پہلے بھی عرب میں یہ دستور تھا کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں، عورتوں اور بچوں کی جماعت صف جنگ سے پیچھے رہتی تھی۔

ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری کریں، گھوڑوں کی خدمت کریں، اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچائیں، اسلاف کے تاریخی کارناموں کے رجز سے جوش پیدا کریں، غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتھیار کھول لیں یا بھاگتوں کو گرفتار کریں اور قیدیوں کی حفاظت کریں۔

عرب کا مشہور شاعر ''عمرو بن کلثوم'' فخر کے لہجہ میں کہتا ہے:

''ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتیں ہیں ہم کو برابر ڈر رہتا ہے کہ ان کی اہانت نہ ہو اور دشمن ان پر قبضہ نہ پائیں۔''

''ان عورتوں نے میدانِ قتال میں جانبازی کا اپنے شوہروں سے عہد لے لیا ہے۔''

''وہ ہمارے ساتھ اس لئے رہتی ہیں تاکہ دشمنوں کے گھوڑے اور ہتھیار لے لیں، اور دشمنوں کو گرفتار کرلیں۔''

''یہ جشم بن بکر کے خاندان کی عورتیں ہیں جن میں حسن کے ساتھ خاندانی عزت اور مذہب بھی ہے۔''

''ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اگر تم ہمیں دشمنوں سے نہ بچاسکو تو تم ہمارے شوہر ہی نہیں ہو۔''

اسلام میں بھی یہ قدیم دستور قائم رہا، جہاد میں برابر مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں شریک رہتی تھیں، بخاری میں ہے کہ غزوۂ احد میں اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ اپنے ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں، ان کے ساتھ اُمّ سلیم، اور اُمّ سلیطؓ دو اور صحابیہ بھی اس خدمت میں شریک تھیں۔

محدث ابوداود نے روایت کی ہے کہ جنگِ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی مدینہ سے چلی تھیں، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر نہ تھی، جب معلوم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے غضب ونفرت کے لہجے میں ان سے فرمایا: تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی، ان عورتوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں، ہم زخمیوں کو مرہم لگائیں گے، بدن سے تیر نکالیں گے، کھانے کا انتظام کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: خیر ٹھہرو، جب خیبر فتح ہوا تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو بھی رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت سے حصہ دیا۔

اُمّ سلیمؓ اور انصار کی عورتیں انہی خدمات کے لئے اکثر غزووں میں شریک رہی ہیں۔

ربیع بنت معوذؓ اور دوسری عورتوں نے شہداء اور مجروحین کو احد کے میدان جنگ سے اٹھا کر مدینہ لانے کی خدمات انجام دی تھی۔

اُمّ رفیدہؓ صحابیہ کا ایک خیمہ تھا، جس میں وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

اُمّ زیاد اشجعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی، وہ میدان سے تیر اٹھا کر لاتی تھیں، اور سپاہیوں کو ستو پلاتی تھیں۔

حضرت اُمّ عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہ کے لئے کھانا پکایا تھا۔

ابن جریر طبری ایک موقع پر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو ایک جگہ جمع کر کے صف کے پیچھے ڈال دیا،

اور جو لوگ مقتولین کی تجہیز و تکفین کے لئے متعین تھے، وہ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کرتے اور جو شہداء ہوتے ان کو دفن کر دیتے، اغواث اور ارماث کی لڑائیوں میں جو فتح قادسیہ کے سلسلہ میں لڑی گئی تھیں، عورتیں اور بچے قبر کھودتے تھے۔

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک عورت جو موقعِ جنگ پر موجود تھی، اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تو ہم اپنے کپڑے کس کس کر رزمگاہ کی طرف چلے، ہمارے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، میدان میں جہاں کوئی مسلمان مجروح سپاہی نظر آیا، اس کو اٹھا لیا۔

مذکورہ بالا واقعات سے مذہبی ولولہ، قومی ہمدردی، غیرت اور بہادری کے علاوہ اِن خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو لڑائیوں میں عورتوں کے متعلق تھیں:

1 زخمیوں کو پانی پلانا۔
2 فوج کے کھانے کا انتظام۔
3 قبر کھودنا۔
4 مجروح سپاہیوں کو معرکہ جنگ سے اٹھا لانا۔
5 زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا۔
6 ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا، اور ان کی امداد کرنا۔

قرنِ اوّل کی تمام لڑائیوں کا مرقع ایک ایک کر کے تم اپنے سامنے رکھو، عموماً صف جنگ کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے ادائے فرض میں مشغول پاؤ گے، مسلمان عورتوں کی سب سے آخری خدمت کے متعلق تفصیلی واقعات کی ضرورت ہے، جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے انجام دیتا تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ ﷺ کی والدہ اُمّ سلیمؓ عموماً غزوات میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔

حضرت طلیب بن عمیرؓ جب اسلام لائے، اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی نصرت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا، اگر مردوں کی طرح مجھ میں بھی استطاعت ہوتی، تو میں آپ کی حفاظت کرتی، اور آپ کی طرف سے لڑتی۔

غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ یہودیوں سے لڑ رہے تھے، کہ بنو قریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے چھپے تھے، بنو قریظہ اور مسلمان عورتوں کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی جو عورتوں کی حفاظت کر سکے، اسی اثنا میں ایک یہودی ان عورتوں کی طرف نکل آیا، خوف یہ تھا کہ اگر یہ یہودی بنو قریظہ سے کہہ آیا کہ ادھر عورتیں ہیں، تو میدان خالی پا کر وہ عورتوں پر حملہ کر دیں گے۔

حضرت صفیہؓ نے جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اور حضرت زبیرؓ کی والدہ تھیں، حضرت حسان بن ثابتؓ سے کہا: اس یہودی کو قتل کر دو، حضرت حسانؓ نے عذر کیا، آخر حضرت صفیہؓ خیمہ کا ایک ستون لے کر خود اتریں اور اس یہودی کو اسی ستون سے وہیں مار کر گرا دیا، مورخ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔

اُمّ عمارہؓ ایک مشہور صحابیہ تھیں، قبل از ہجرت مقام عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے کفار قریش سے چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی امداد اور اسلام کی اشاعت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، تو اس مختصر

جماعت میں جو اسلام کی سب سے پہلے جماعت تھی، اُمّ عمارہؓ بھی شریک تھیں، اسلامی تاریخ میں اسی واقعہ کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔

۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کی نیت سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا، اور مکہ میں داخل ہونے کے لئے قریش سے آپ نے اجازت مانگی اور حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر مکہ گئے، تو یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا، اس وقت تمام صحابہ سے رسول اللہ ﷺ نے کفارِ قریش سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لی، جو تاریخ اسلام میں بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے، اُمّ عمارہؓ اس بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھیں، مسلمانوں کی طرف سے اپنے شوہر زید بن عاصم کے ساتھ جنگ احد میں بھی موجود تھیں، بل کہ عین اس وقت جب احد میں عام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور آں حضرت ﷺ پر کفار بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے، اور جان نثار آگے آ کر اپنی جانیں قربان کر رہے تھے، یہ بہادر خاتون بھی تیغ بدست حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں، اس دن کئی زخم ان کے دست و بازو میں آئے تھے، اسی طرح دیگر غزوات میں بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے ادعائے نبوت کیا، اور مقام یمامہ میں ایک خون ریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا، اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے، اُمّ عمارہؓ بھی شریک تھیں، اور جب تک ان کا ہاتھ زخمی نہ ہوا، دشمنوں سے لڑتی رہیں، اس دن اُمّ عمارہؓ کو بارہ زخم لگے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لئے مشرق کی ان دو پرزور طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے مہیب ناموں سے مشہور ہیں، رومیوں کا وہ سب سے خونریز معرکہ جس پر ان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا، جنگِ یرموک ہے اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری پرزور کوشش جس سے زیادہ زور و قوت صرف کرنا تخت کیانی کے امکان میں نہ تھا، جنگِ قادسیہ ہے، یہ دونوں معرکے تاریخ اسلام کے بہترین کارنامے ہیں جنہوں نے دنیا میں پھیلنے کے لئے اسلام کا راستہ صاف کر دیا۔

لیکن ان دونوں واقعوں میں مسلمانوں کی فتح یابی مخدراتِ اسلام کے زور بازو اور آتش بیانی کی ممنون ہے، محرم ۱۴ھ میں مسلمانوں اور ایرانیوں میں مقام قادسیہ پر مقابلہ ہوا، ایرانیوں کی جمعیت ایک لاکھ سے زیادہ تھی، اور مسلمان کچھ اوپر تیس ہزار تھے، اس معرکہ میں کئی ہزار مسلمان شہید و زخمی ہوئے، عورتوں اور بچوں نے شہداء کی قبریں کھودیں، اور مجروحوں کو میدان جنگ سے اٹھا لائے، اور ان کی تیمارداری کی۔

قادسیہ کی لڑائی میں عورتوں کو کس قدر جوش تھا، اس کا اظہار ذیل کی تقریر سے ہوگا، جو قبیلہ نخع کی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ میں بھیجتے وقت کی تھی:

"پیارے بیٹو! تم اسلام لائے، پھر پھرے نہیں، تم نے ہجرت کی تو تم کو کسی نے ملامت نہ کی، تمہارا وطن تمہارے ناموافق تھا نہ تم پر قحط پڑا تھا، تم نے اپنی بوڑھی ماں کو اپنے ساتھ لا کر اہلِ فارس کے سامنے ڈال دیا، اللہ کی قسم! تم ا‍ باپ کی اولاد ہو جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو۔ نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی، اور نہ میں نے تمہار ماموں کی فضیحت کی، جاؤ اور شروع سے اخیر تک لڑو۔"

بیٹوں نے ایک ساتھ دشمنوں پر حملہ کیا، اور بڑی بہادری سے لڑے، جب نظروں سے غائب ہو گئے، تو اس بوڑھی عورت نے دعا کو ہاتھ اٹھایا، کہ اے اللہ! میرے بچوں کو بچانا، اختتامِ جنگ پر بہادر بیٹے صحیح و سالم اپنی ماں کے پاس آئے، اور غنیمت کا مال ماں کے آگے ڈال دیا۔

جنگِ قادسیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ حضرت خنساءؓ بھی شریک تھی، حضرت خنساءؓ کے ساتھ اس کے چاروں بیٹے بھی شریک تھے، شب کے ابتدائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک منظر پر غور کر رہا تھا، آتش بیاں شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو جوش دلانا شروع کیا:

''پیارے بیٹو! تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور تم نے ہجرت کی، وحدہ لاشریک کی قسم! کہ تم جس طرح ایک ماں کے بیٹے ہو ایک باپ کے بھی بیٹے ہو، میں نے تمہارے باپ سے بد دیانتی نہیں کی اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل کیا اور نہ تمہارے حسب و نسب میں داغ لگایا، جو ثواب عظیم اللہ تعالیٰ نے کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے لئے رکھا ہے تم اس کو خود جانتے ہو، خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے، اس دار فانی سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''مسلمانو! صبر کرو اور استقلال سے کام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو''

کل ان شاء اللہ جب خیریت سے تم صبح کرو، تو تجربہ کاری کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا، اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے، اور ہر طرف اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں تو تم خاص آتش دانِ جنگ کی طرف رخ کرنا اور جب دیکھنا کہ فوج غصے سے آگ بگولہ ہو رہی ہے، تو غنیم کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا، اللہ کرے کہ تم دنیا میں مالِ غنیمت اور عقبیٰ میں عزت پاؤ''

صبح کو جنگ چھڑتے ہی حضرت خنساءؓ کے چاروں بیٹے یک بارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے، اور آخر کو بڑی بہادری سے لڑ کر چاروں شہید ہوئے، حضرت خنساءؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا: اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بیٹوں کی شہادت کا شرف بخشا، حضرت عمرؓ چاروں بیٹوں کی تنخواہ کے آٹھ سو دینار حضرت خنساءؓ کو دیا کرتے تھے۔

واقعہ جسر کے بعد جس میں مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلے میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی، ایک دوسرا ہولناک معرکہ ہوا، جو جنگِ بویب کے نام سے مشہور ہے، جنگِ بویب میں جس کو قادسیہ کی تمہید سمجھنا چاہئے، مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سا سامان رسد ہاتھ آ گیا، مسلمان عورتوں کو رزمگاہ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، کھانے کا انتظام چوں کہ عورتوں ہی سے متعلق تھا، اس لئے مثنیٰ نے جو فوج کے سپہ سالار تھے، یہ سارا سامان فوج کے ایک رسالہ کی حفاظت میں عورتوں کے پاس بھیج دیا، یہ رسالہ گھوڑے اڑاتا ہوا عورتوں کی فرودگاہ کی طرف چلا......

عورتیں سمجھیں کہ دشمن چڑھ آئے ہیں، عورتوں کے خیموں میں اسلحے کہاں سے آتے، بچوں کو پیچھے کھڑا کیا، اور خود پتھر اور خیمہ کی چوبیں لے لے کر حملہ کے لئے کھڑی ہو گئیں، عمر بن عبد المسیح جو اس رسالہ کا افسر تھا، پکارا اسلامی فوج کی عورتوں کو بے شک ایسا ہی بہادر ہونا چاہئے۔ یہ کہہ کر اس نے عورتوں کو مسلمانوں کی فتح کی خوش خبری سنائی اور چیزیں ان کے سپرد کیں۔

میسان کی لڑائی میں اس سے بھی ایک عجیب بہادری عورتوں سے ظاہر ہوئی، دریائے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کا سامنا ہوا، مغیرہ جو اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے۔ میدان جنگ سے عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اردۃ بنت حارث نے جو طبیب العرب کلدہ کی پوتی تھیں، عورتوں سے کہا:

اگر ہم مسلمانوں کی مدد کرتے تو نہایت مناسب ہوتا، یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دوپٹے کا ایک بڑا علم بنایا اور عورتوں نے بھی اپنے اپنے دوپٹوں کی جھنڈیاں بنائیں، دونوں طرف کے بہادر دل توڑ کر حملے کر رہے تھے، کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پرچم اڑاتی ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں، یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کی امداد کو ایک تازہ دم فوج اور پہنچ گئی، غنیم کے بازو ست پڑ گئے، اور آن کی آن میں یہ سیاہ بادل پھٹ گیا۔

عہد صدیقی میں اول اول ۱۳ھ میں مسلمانوں نے دمشق پر لشکر کشی کی، چند معرکوں کے بعد اہلِ دمشق قلعہ بند ہوگئے، مسلمان دمشق کا محاصرہ کیئے ہوئے پڑے تھے، کہ معلوم ہوا کہ نوے ہزار رومی بڑے سرو سامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں کی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی، حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ کی جو عراق کو پامال کر کے دشمن میں آکر مل گئے تھے۔ یہ رائے قرار پائی کہ کل اسلامی فوج کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع ہونا چاہئے، ان فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی، کل افسرانِ اسلام جہاں جہاں تھے اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی، حضرت خالدؓ فوج کے آگے آگے جا رہے تھے، اور حضرت ابوعبیدہؓ تھوڑی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے مع خیمے اور سامان رسد کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے، اہلِ دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے رہے ہیں، ان کو انتقام کا موقع نہایت مناسب معلوم ہوا، قلعہ کے پھاٹک کھول کر فوراً پیچھے سے حملہ کر دیا۔

قیصر روم نے دمشق کے لئے کچھ امدادی فوجیں بھیجی تھیں، اتفاق سے عین وقت پر وہ بھی آ پہنچیں، اور آتے ہی انہوں نے مسلمانوں کو آگا روک لیا، اس وقت مسلمانوں میں جس انتہا کی بدحواسی پیدا ہونی چاہئے تھی، وہ ظاہر ہے، مگر اس کے برخلاف انہوں نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ دونوں طرف کے حملے روکے، لیکن زیادہ تر ان کی توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی، اتنا موقع بھی اہل دمشق کو غنیمت معلوم ہوا اور مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعۂ دمشق کی طرف رخ کیا۔

عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، خولہ بنت ازور نے کہا: ''بہنو! کیا تم یہ غیرت گوارا کر سکتی ہو کہ مشرکینِ دمشق کے قبضہ میں آ جاؤ، کیا تم عرب کی شجاعت وحمیت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو، میرے نزدیک تو مر جانا اس ذلت سے کہیں بہتر ہے، ان چند فقروں نے ایک آگ سی لگا دی، خیموں کی چوبیں لے لے کر باقاعدہ ہاتھ باندھ کر آگے بڑھیں، سب سے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھیں اور ان کے پیچھے عفیرہ بنت عفار، اُمّ ابان بنت عتبہ، سلمہ بنت نعمان بن مقرن وغیرہ تھیں، کچھ دیر کے لئے تو حیرت نے دمشقیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے، اور اتنی دیر میں عورتوں نے تیس لاشیں گرادیں۔

آخر کو پھر انہوں نے بھی حملہ کر دیا، دمشقیوں کے قدم اکھڑنے کو تھے کہ مسلمان بھی ادھر سے فارغ ہو کر آ گئے، دمشقی فوج میں جو رمق جان باقی تھی وہ بھی ان حملوں سے نکل گئی، باقی فوج بھاگ کر دمشق میں قلعہ بند ہوگئی اور اسلامی فوج کی عنانِ عزیمت پھر اجنادین کی طرف مڑی۔

اڈورڈ گبن صاحب نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کر کے مسلمان عورتوں کی عفت، عصمت، دلیری و بہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی میں نہایت ماہر تھیں، یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقع پر بھی یہ اپنے دامن عفت کے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں۔''

جنگ یرموک مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی، اس معرکہ میں مسلمان کل چالیس ہزار تھے، مگر جو تھے عرب میں انتخاب تھے، رومیوں کی جمعیت دو لاکھ سے زائد تھی، اور یہ آدمیوں کا طوفان اس جوش وخروش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ گمان تھا کہ ایک ٹکر میں یہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دے گا، یرموک میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا،

مسلمانوں اور عیسائیوں کی تعداد میں چوگنے کا فرق تھا، ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ ہٹنا چاہیں بھی تو نہ ہٹ سکیں۔

دو لاکھ کا ٹڈی دل اس زور و شور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا، کہ اسلامی فوج کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک آ گیا، لخم و جذام کے قبیلے ایک مدت تک ان عیسائیوں کے ماتحت رہے تھے، اور اب مسلمان ہو گئے تھے، میسرہ (بایاں حصہ) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے، رومیوں نے ان کی طرف رخ کیا، تو یہ مرعوب ہو کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے، رومی تعاقب کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔

عورتوں کے غصہ کی انتہاء نہ رہی فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں، اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا، دفعۃً تھم کر پیچھے گیا۔ اب خواتین نے بھاگتوں کو روک کر پھر آگے بڑھایا، فوج کی پشت پر آ کر مسلمانوں کو غیرت دلا دلا کر جوش پیدا کرنے لگیں، عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔

قریش کی عورتیں تلواریں گھسیٹ گھسیٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں۔ حضرت معاویہؓ کی بہن ''جویریہ'' عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں، اور نہایت دلیری سے لڑ کر زخمی ہوئیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کی ماں ہند بنت عتبہؓ مردوں کو مخاطب کر کے یہ کہتی تھیں:

''عربو! نامرد بن جاؤ نا مرد۔''

ضرار بن ازدر کی بہن خولہ یہ شعر پڑھ کر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں:

''اے پاک دامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو!...... تم موت اور تیر کے نشانہ نہ بنو۔''

مورخ طبری نے اس جنگ میں اُمّ حکیم بنت حارث کا نام خصوصیت سے لیا ہے، ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت یزید نے تنہا نو (۹) رومیوں کو مار ڈالا۔ جو عورتیں مردانہ وار جنگِ یرموک میں لڑیں، ابن عمر واقدی نے ان میں سے بعض کے یہ نام بتائے ہیں: اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ عبادہ بن صامتؓ کی بیوی، خولہ بنت ثعلبہ، کعوب بنت مالک، سلمٰی بنت ہاشم نعم بنت قناس، عفیرہ بنت عفارہ۔

جنگِ یرموک کے بعد پھر مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابلہ پر جا رہی تھی، ایک روز اس نے دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا خالد بن سعید نے جنہوں نے حال ہی میں اُمّ حکیم بنت حارث سے نکاح کیا تھا، یہیں مسلمانوں کی دعوت ولیمہ کی، ایک پل کے قریب اُمّ حکیم کا خیمہ نصب ہوا، جو اسی مناسبت سے اب تک اُمّ حکیم کا پل کہلاتا ہے، ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی پہنچ گئے، مسلمانوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں، اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کو پسپا ہو جانا پڑا، اُمّ حکیم بھی نہایت دلیری سے لڑیں، رومیوں کے سات آدمی ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔

جنگِ جمل میں گو حضرت عائشہؓ کا فوج لے کر حضرت علیؓ کے مقابلے میں آنا، ہم ایک اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں، لیکن اس سے عورتوں کے استقلال، دلیری، ثابت قدمی کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔

فتوحات واقدی کی روایتیں اگر تسلیم کر لی جائیں تو یہ ماننے پڑے گا کہ شام کی فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے، خصوصاً اُمّ حکیم، ہند، اُمّ کثیر، اسماء، اُمّ ابان، اُمّ عمارہ، خولہ، لبنٰی، عفیرہ، ان عورتوں نے بعض بعض موقعوں پر اس مردانگی سے جنگی خدمات انجام دیئے ہیں کہ مردوں سے بن نہیں آ سکتے۔

عتبہ بن غزوان حضرت عمرؓ کی طرف سے امیر تھا، ازدہ بنت حارث جو طبیب عرب کلدہ کی پوتی تھی، عتبہ کی بیوی

تھی، عتبہ جب اہلِ مدینۃ الفرات سے سرگرم مقابلہ تھا، تو اس کی بیوی ازدہ، اپنی تقریر سے لوگوں کو ابھارتی تھی، اور جوش دلاتی تھی۔

دمشق کے حملہ میں جب ''ابان بن سعید''، توما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو ان کی بیوی ''اُمّ ابان بنت عتبہ'' اپنے مقتول شوہر کا سارا جنگی اسلحہ لگا کر قصاص لینے کو نکلیں اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں، اہل دمشق گو محصور تھے، لیکن شہر پناہ کے برجوں سے برابر مسلمانوں کو جواب دیتے تھے۔ سب سے آگے ایک مقدس شخص ہاتھ میں طلائی صلیب لئے ہوئے ''اربابِ ثلاثہ'' سے دعائے فتح مانگ رہا تھا، اُمّ ابان کو تیر اندازی میں بڑی قدرت تھی، ایسا تاک کر تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر پڑی......

مسلمانوں نے دوڑ کر صلیب اٹھالی، عیسائیوں سے صلیبِ اعظم سے یہ تذلیل دیکھی نہ گئی، ''توما'' غصے سے شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا، اور پھر اس زور کا رن پڑا کہ مسلمان گھبرا اٹھے، رومیوں نے صلیب کی واپسی کے لئے لاکھ لاکھ کوششیں کیں، مگر ایک بھی کارگر نہ ہوئی، جس نے ادھر کا رخ کیا، اُمّ ابان نے اس کو تیروں پر دھر لیا، ''توما'' جو کسی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا، اُمّ ابان نے اس کی آنکھ میں ایسا دیکھ کر تیر مارا کہ وہ چیختا ہوا بھاگا، اس وقت اُمّ ابان رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

''ام ابان تو اپنا انتقام لے، اور ان پر پے در پے حملے کئے جا، رومی تیرے تیروں سے چیخ اُٹھے ہیں۔''

یرموک کی سب سے خوفناک لڑائی جو ''یوم التعویر'' مسلمان عورتوں کی بہادری کا عجیب وغریب نمونہ تھی، مسلمانوں کو ہزیمت ہو جاتی، اگر عورتیں تلوار کھینچ کر رومیوں کے منہ نہ پھیر دیتیں، ہند، خولہ، اُمّ حکیم اور بہت سی قریش کی عورتوں نے مردانہ وار حملے کئے، اسماء بنت ابی بکرؓ گھوڑے پر سوار اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے ساتھ تھیں، اور برابر حضرت زبیرؓ کے دوش بدوش لڑتی جاتی تھیں۔

صفین میں بہت سی مسلمان عورتیں حضرت علیؓ کی طرف سے شریکِ جنگ تھیں، لڑتی تھیں، پرزور تقریروں سے فوج کو اُبھارتی تھیں، زرقاء، عکرشہ، اُمّ الخیر نے میدان کارزار میں وہ تقریریں کیں ہیں کہ فوج کی فوج میں ایک آگ لگ گئی۔

۹۰ھ میں ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بخارا پر فوج کشی کی، قتیبہ اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا، عرب میں ازد کا قبیلہ بہادری اور شجاعت میں ضرب المثل تھا، اسلامی فتوحات میں اس کے کارنامے نہایت روشن ہیں، بخارا کے ترک بھی بڑے سرو سامان سے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، قبیلہ ازد نے کہا: پہلے تنہا ہم کو زور آزمائی کرنے دو، قتیبہ نے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی، ازدی بڑھے، اور نہایت بہادری سے حملے کئے......،

لیکن مقابلہ معمولی لوگوں سے نہ تھا، ترکوں نے اس ثابت قدمی سے جواب دیئے، کہ ازدی ہٹتے ہٹتے قیام گاہ تک آگئے، ترکوں نے بڑھ کر اور زور سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، عورتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہی ہوا چاہتی ہے، وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور مار مار کر گھوڑوں کے رخ پھر میدان جنگ کی طرف پھیر دیئے اور ایک عام شور برپا کر دیا، مسلمانوں کی ہمت بندھی، اور سنبھل گئے، اور پلٹ کر اس زور و شور سے حملے کئے کہ ترک پھر جم نہ سکے، گو اس موقع پر عورتوں نے تلواریں نہیں اٹھائیں، لیکن یہ فتح بالکل عورتوں کی کوشش سے ہوئی، اگر عورتیں ہمت نہ کرتیں، تو مسلمان میدانِ جنگ چھوڑ چکے تھے۔

اسلام میں خوارج کا فرقہ اپنی تاریخی حیثیت سے نہایت شہرت رکھتا ہے، جن کے کارنامے بعض اسلامی فرقوں کی

طرح صرف خوفناک سازشیں نہیں ہیں، بل کہ بارہا حکومتوں اور جابرانہ شخصیتوں کے مقابلہ میں اس نے تلواریں علم کی ہیں، گوطلب مساوات، آزادیٔ بیان، اور تمنائے حریت کی بنا پر اس کی گردن ہمیشہ تلوار کے نیچے رہی، لیکن اس کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اس کو بہت دنوں تک زندہ رکھا، اور اب تک ہے سلطنت کے متعلق اس کے خیالات بالکل آج کل کے نہلسٹ فرقوں کے مشابہ تھے۔

<u>۷۷ھ</u> میں جب عبدالملک شام میں خلیفہ تھا، اور حجاج ثقفی عراق کا گورنر تھا، شبیب خارجی نے موصل میں سلطنت کے خلاف سر اٹھایا، غزالہ شبیب کی بیوی اور جہیزہ شبیب کی ماں بھی شریک جنگ رہتی تھیں، حجاج نے شبیب کے دبانے کو یکے بعد دیگرے پانچ سردار بھیجے، مگر ایک بھی میدانِ جنگ سے پھر کر نہ آیا، آخر عبدالملک نے شام سے فوجیں بھیجیں اور حجاج خود ان کو لے کر نکلا۔

شبیب موصل سے کوفہ چلا لیکن حجاج اس سے پہلے کوفہ پہنچ کر قصر الامارۃ میں اتر چکا تھا، غزالہ نے نذر مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑھوں گی، کچھ دن چڑھے غزالہ اپنے شوہر کے ساتھ صرف ستر آدمی لے کر جامع مسجد آئی، حالاں کہ سارا شہر دشمن تھا اور خود شامی فوجیں کوفہ میں بھری پڑی تھیں۔

شبیب تلوار کھینچ کر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا، اور غزالہ نے اندر جا کر اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی، اور پھر معمولی نماز نہیں پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی، اور دوسری رکعت میں آل عمران جن سے بڑی کوئی سورہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ دو دو اور ڈھائی ڈھائی پاروں میں تمام ہوئی ہیں۔ غزالہ نماز سے فارغ ہو کر اپنے فرودگاہ کو چلی گئی اور حجاج کی ساری فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ جب لڑائی کی نوبت آئی تو حجاج کوفہ، بصرہ اور شام کی فوج کو لے کر نکلا، شبیب کی جمعیت گواس کے مقابلہ میں نہایت مختصر تھی، لیکن بہادری سے لڑی، حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑے ہو کر خود جوش دلا رہا تھا، اس کی فوج برابر بڑھتی گئی، یہاں تک کہ حجاج نے خوارج کی مسجد پر قبضہ کر لیا، غزالہ اور جہیزہ بھی لڑائی میں مشغول تھیں کہ حجاج نے چپکے چند آدمی بھیجے جنہوں نے پیچھے سے جا کر غزالہ کو مار گرا دیا، شبیب اپنے مقتولین کو چھوڑ کر اہواز کی طرف چلا گیا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جہیزہ بھی اس لڑائی میں ماری گئی، لیکن ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ اس کے کچھ دن بعد جب شبیب کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر پل سے دریائے دجلہ میں گر پڑا، اور شبیب آہنی زرہ اور ہتھیاروں کے بوجھ سے ڈوب کر مر گیا، تو کسی نے اس کی ماں سے جا کر کہا کہ شبیب مارا گیا، اس کی ماں نے کہا: ''شبیب اور مارا جائے! یہ ہو نہیں سکتا۔'' آخر جب دوسرے دن کہا گیا کہ: ''نہیں شبیب ڈوب کر مر گیا۔'' تو اس نے کہا: ''یہ ممکن ہے''، اس واقعہ سے اس کی ماں کی بہادری کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھی۔

بعض لڑائیوں میں حجاج اور غزالہ کا سامنا ہو گیا، حجاج مقابلہ نہ کر سکا، اور بھاگ نکلا، حالاں کہ یہ وہی حجاج تھا جس سے سارا عراق اور حجاز کانپتا تھا، ایک شاعر اسی واقعہ کو لکھ کر حجاج کو عار دلاتا ہے۔

''حجاج مجھ پر تو شیر ہے، لیکن معرکوں میں بزدل اور سست شتر مرغ کی طرح بزدل ہو جاتا ہے۔''

''حجاج! تو لڑائی میں غزالہ کے مقابلہ میں کیوں نہ نکلا، اور نکلتا کیوں کر؟ تیرا دل تو دھڑک رہا تھا۔''

<u>۱۳۹ھ</u> میں منصور کے ایام خلافت میں قیصر روم نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اس کو بالکل ویران کر دیا، منصور نے قیصر کی تادیب کو فوجیں روانہ کیں، صالح بن علی اور عباس بن محمد سپہ سالار تھے، ان لوگوں نے جا کر پہلے المطعیہ از سر نو آباد کیا، اور پھر قسطنطنیہ کی طرف فوجیں بڑھائیں، اور قیصر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا، اُمّ عیسیٰ بنت علی اور لبابہ بنت علی، صالح کی بہنیں اور خلیفہ منصور کی پھوپھیاں تھیں انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ جب بنو امیہ کی حکومت برباد ہو

جائے گی، تو ہم جہاد کریں گے، چناں چہ ایفائے نذر کے لئے وہ بھی اس جہاد میں شریک تھیں۔

۱۷۸ھ میں ہارون رشید کے زمانے میں ولید بن طریف خارجی نے خابور اور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا، دربار کے ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے کچلنے کے لئے بھیجے گئے، چند مقابلوں کے بعد خوارج نے شکست کھائی، اور ولید مارا گیا، ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہوا تو اس نے زرہ پہنی سارے ہتھیار لگائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی، یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اس کے مقابلے میں آیا، اور فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا، اور فارعہ سے کہا، تم کیوں اپنے خاندان کو بدنام کرتی ہو، جاؤ اور واپس جاؤ، فارعہ میدان سے پھری، لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور اس کی زبان پر خود اس کی تصنیف کے یہ دردناک اشعار تھے:

''اے خابور (نام مقام) کے درخت تم کیوں سرسبز ہو؟ گویا تم ولید کی موت پر بے قرار ہی نہ ہوئے۔''

''ولید ایک ایسا جوان تھا جو صرف زادِ تقویٰ اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا تھا۔''

''اے ولید! ہم نے تجھ کو اس طرح کھودیا ہے، جس طرح جوانی کو کوئی کھودے، کاش ہم اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کرتے۔''

''ولید پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، میں دیکھ رہی ہوں کہ موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے۔''

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پُر درد ہے کہ اکثر علمائے ادب اس کو چشم ادب سے دیکھتے ہیں، ابوعلی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فارعہ کے مراثی حضرت خنساءؓ کے ہم پلہ ہیں، اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہے کہ عموماً علمائے بدیع اس کو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔

ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارعہ اور فاطمہ لکھا ہے، لیکن ابن اثیر نے اس کا نام لیلیٰ بتایا ہے ابن خلدون نے اس واقعہ کا تو ذکر کیا ہے لیکن اس کا کچھ نام نہیں لکھا ہے، بہر حال ہم کو کام سے غرض ہے نام کچھ بھی ہو۔

قرونِ وسطیٰ میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں پر نشہ چھایا تھا، بل کہ عیسائی عورتیں تک جوش میں بھری ہوئی تھیں، اور بقول عماد کاتب بیسیوں عیسائی عورتیں میدانِ جنگ میں شریک تھیں۔

عام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ کے لئے جو جوش پھیلا تھا، عورتیں بھی اس سے بے اثر نہ تھیں، اسامہ ایک مسلمان امیر تھا، جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا ہے تو اس کی ماں اور بہن بھی اس کے ساتھ تھیں، دونوں برابر ہتھیار لگا کر اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں، اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اس کو مدد دیتی تھیں۔

مسلمان ماؤں کے اس مذہبی جوش کا اثر تھا کہ بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا، عیسائی ایک مدت سے ''عکا'' کا محاصرہ کیئے ہوئے پڑے تھے، جب وہ تھک گئے، اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ و رسم پیدا ہوگئی تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہئے، کچھ عیسائی بچے ادھر سے اور کچھ مسلمان بچے ادھر سے نکلے، دیر تک مقابلہ رہا...... آخر اسلام کے ننھے ننھے ہاتھوں نے مسیحی بھیڑوں کے میمنوں کو رسیوں میں جکڑ کر باندھ دیا۔

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا، لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئے گا، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اکثر ایسی مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں جن کی بہادری شجاعت، اولعزمی مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرجح ثابت ہوتی ہے۔

شاہ التمش کی بیٹی رضیہ سلطان جس نے اسلامی خواتین میں گو کم سلطنت کی، مگر سب سے بہتر کی، ابن بطوطہ جو محمد

تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، لکھتا ہے کہ "رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی"
شاہانِ ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے تو تمام بیگمات اور کنیزیں بھی ساتھ ہوتی تھیں، ایک مرتبہ التمش شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہو گیا ہوتا، لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسے تو بر تو وار کیے، کہ شیر نیم جان ہو کر گر پڑا۔

تختِ حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے وہ رعب قائم کیا کہ اعیانِ دولت تک کانپتے تھے، بعض امراء نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی زور نہیں چلتا، مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور صرف لفظی مخالفت نہیں، بل کہ فوجیں لئے ہوئے دہلی کے باہر پڑے تھے، رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا اس کو بھی توڑ کر ملا لیتے تھے، لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر و دلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا کہ وہ ادھر ادھر ٹھوکر کھاتے پھرتے تھے، لیکن ان کو پناہ نہیں ملتی تھی۔

۶۳۷ء میں جب حاکم لاہور نے سر اٹھایا تو خود فوج لے کر گئی۔ اس کے بعد بھٹنڈہ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر خود فوج لے کر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازش سے راستہ میں گرفتار ہو گئی، اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معز الدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا، رضیہ قید سے چھوٹی تو نئے سرے سے ایک لشکر ترتیب دے کر، دو تین مرتبہ تخت دہلی کے لئے لڑی، لیکن چوں کہ رضیہ کی فوج بالکل نئی اور بھرتی کی تھی ہمیشہ شکست کھاتی رہی۔

اس سلسلے میں سلطان علاء الدین کے عہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے جس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخی عظمت کسی قدر بڑھ جاتی ہے، شاہانِ ہند کے مرقع میں علاء الدین خلجی کی تصویر ایک خاص امتیاز رکھتی ہے، جس کے چہرے سے اولوالعزم، بلندی خیال، جلالت شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

سلطان نے جب سیل تاتار کو روک کر پیچھے ہٹا دیا، جس کو نہ بغداد و خوارزم کے مستحکم قلعے ہٹا سکے تھے...... اور نہ چین کی بلند دیواریں روک سکی تھیں...... اور نہ ایران و روس کی طاقتیں دبا سکی تھیں..... تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالم گیر حکومت کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے ایک دن بر سبیل تذکرہ کہا کہ: "اب ہندوستان میں کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے۔" قلعہ جالور کا راجہ "کانیر دیو" دربار میں حاضر تھا، اس نے نہایت بد دماغی سے متکبرانہ لہجہ میں کہا کہ: "جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا۔"

سلطان برہم تو ہوا لیکن اس وقت اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کر دیا، اور مہلت دی کہ راجہ جالور کو جس قدر محفوظ کر سکتا ہے کر لے، اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لونڈی کو جس کا نام گلِ بہشت تھا، سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا، گل بہشت اپنی فوج لئے ہوئے برق و باد کی طرح جالور پہنچی۔ راجہ مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا، گل بہشت نے راجہ کو محصور کر لیا، اور اس بہادری اور دلیری سے اس نے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا کہ راجہ کو اس کا گمان تک نہ تھا، قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ یک بیک گلِ بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اٹھی، گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی، لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی۔

گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہو گیا اور قلعہ کھول کر شاہی فوج کو اس نے بہت پیچھے ہٹا دیا۔ گل بہشت کا لخت جگر شاہین راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا، آخر دہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہنچ کر جالور فتح کر لیا۔

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں دنیا میں ایک عجیب انقلاب پیدا ہوا، امیر تیمور کیا تھا! ترکستان کے حدود سے ایک آندھی اٹھی تھی جس سے ترکوں کی مضبوط سلطنت ہل گئی، دمشق و عرب متزلزل ہو گیا۔ تغلق خاندان کی شمع حیات بجھ گئی اور مغل اعظم کی اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی، جس سے بہتر کوئی حکومت ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی گو اس فتح کا ثمرہ خود تیموری نسل کو پورے سوا سو برس کے بعد حاصل ہوا، لیکن در اصل اس

کی موت میں سیدوں اور لودھیوں کا دورِ حکومت اس تیموری تاریخ کی تمہید تھا، جس کا سرنامہ "ظہیر الدین شاہ بابر" کے طغرے سے مزین ہے۔

لیکن کیا ان فتوحات میں عورتوں کی کوئی کوشش شامل نہ تھی؟ امیر تیمور کے کشورستاں لشکر میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدانوں میں لڑتی تھیں، اور معرکوں میں گھستی تھیں، بہادروں سے مقابلہ کرتی تھیں، تلواریں چلاتی تھیں، نیزے لگاتی تھیں، تیر مارتی تھیں، غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کم نہ تھیں، کیا تیموری کارناموں میں ان عورتوں کو کوئی حصہ نہ ملے گا۔

تیموری نسل کا ہر ایک شاہزادہ شجاعتِ مجسم تھا، لیکن کیا تم یہ ناانصافی کر سکتے ہو کہ تیموری شاہزادیوں کو ان کی وراثت سے الگ کر دو، بابر نامہ، ہمایوں نامہ، تزک جہانگیری دیکھو ہر جگہ نظر آئے گا کہ تیموری خواتین برابر ہتھیار لگاتی تھیں، گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں، شکار کھیلتی تھیں، شیر مارتی تھیں، چوگان کھیلتی تھیں، تیر چلاتی تھی، غرض فن سپہ گری سے خوب واقف تھیں، تزک بابری کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کو جو فتوحات کابل، سمرقند، فرغانہ وغیرہ میں حاصل ہوئیں ان میں عورتوں کو بھی دخل تھا۔

نور جہاں تیمور و بابر کی بیٹی نہ تھی، لیکن بہو تھی اکثر نور جہاں ہاتھی پر سوار ہو کر سیر و شکار کو جنگل جاتی تھی، اور ایک ایک گولی میں شیر کو ٹھنڈا کر دیتی تھی، جہانگیر تزک جہانگیری میں نور جہاں کے شکاروں کا بڑی مسرت سے تذکرہ کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے:

"ایک مرتبہ میں شکار کو نکلا ایک ہاتھی پر رستم خاں اور میں تھا، اور دوسرے ہاتھی پر نور جہاں تھی، سامنے جھاڑی میں شیر تھا۔ ہاتھی شیر کی بو پا کر کانپنے لگتا ہے، اس اضطراب و جنبش میں نشانہ ٹھیک لگنا اور پھر عماری میں بیٹھ کر نہایت مشکل ہے، تیراندازی میں میرے بعد رسم خاں کا کوئی ثانی نہیں ہے، مگر ہاتھی پر بیٹھ کر اکثر اس کے تین تین اور چار چار نشانے خطا کر جاتے ہیں، لیکن نور جہاں نے عماری میں بیٹھے بیٹھے پہلی ہی آواز میں شیر کو ٹھنڈا کر دیا۔"

ایک مرتبہ نور جہاں جہانگیر کے ساتھ شکار کھیلنے گئی، ہاتھی پر سوار تھی سامنے سے چار شیر نکلے لیکن نور جہاں کی پیشانی پر بل تک نہ آیا، اس نے نہایت اطمینان سے بندوق چلائی اور دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا، جہانگیر نہایت خوش ہوا اور چند بیش قیمت زیور نور جہاں کو انعام دیئے، اس موقعے پر ایک شاعر نے برجستہ یہ شعر پڑھا:

نور جہاں چوں کہ پہلے علی قلی خاں شیر افگن کی بیوی تھی، اس لئے "زن شیر افگن" کی ترکیب نے اس شعر کو بامزہ کر دیا ہے۔

جہانگیر کے اخیر صد میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں کے سبب سے نور جہاں اور جہانگیر دونوں کے دل مہابت خاں کی طرف سے صاف نہ تھے، آصف خان کی کوشش تھی کہ مہابت خاں ذلیل ہو، جہانگیر دریائے "بھٹ" کے قریب خیمہ زن تھا، آصف خاں ایک دن پہلے ہی فوج سمیت دریا کے اس پار چلا گیا تھا، مہابت خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جہانگیر کو گرفتار کر لیا۔

نور جہاں کو موقع ملا تو وہ دریا سے اس پار جا کر فوج سے مل گئی، اور وہاں اس نے امراء و اعیانِ دولت کو بلا کر سخت ملامت کی، کہ صرف تمہاری بے احتیاطی سے بادشاہ گرفتار ہو گیا، انہوں نے بالاتفاق کہا کہ: "مناسب یہ ہے کہ کل حضور کی رکاب میں تمام شاہی فوج دریا کے اس پار جا کر جس طرح ہو بادشاہ کی قدم بوسی حاصل کر لے۔"

صبح کو کل فوج تیار ہوئی، مہابت خاں نے پل تو پہلے ہی جلا دیا تھا، سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے اور ہاتھی دریا

میں ڈال دیئے، نور جہاں بھی ایک ہاتھی پر سوار تھی، نور جہاں کے ساتھ شہزادہ شہریار کی بہن اور شاہنواز خاں کی بیٹی بھی تھی، ابھی فوج دریا ہی میں تھی کہ مہابت خاں نے حملہ کردیا......

ایک تو فوج دریا میں منتشر تھی ہی اور منتشر ہوگئی...... عجیب ابتری پھیل گئی، نور جہاں نے خواجہ ابوالحسن اور معتمد خاں کو کہلا بھیجا کہ: ''دیکھتے کیا ہو، تم بھی جواب دو۔'' اتنے میں مہابت خاں کے سواروں نے آ کر نور جہاں کے ہاتھی کو گھیر لیا، نور جہاں کی عماری تیروں کا نشانہ بن گئی، یہاں تک کہ ایک تیر عماری کے اندر بھی چلا آیا، اور شہزادی کے بازو میں آ کر لگا، تمام کپڑے خون میں تر بہ تر ہو گئے، نور جہاں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر باہر پھینک دیا، نور جہاں کے ساتھ جو خواجہ سرا تھے، وہ بھی کام آئے۔ نور جہاں کا ہاتھی زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا، آخر بڑی مشکل سے وہ اپنے فرودگاہ کو پہنچ سکی، اگر ہاتھی سنبھلا رہتا تو ممکن تھا کہ نور جہاں لڑنے میں بھی دریغ نہ کرتی۔

مرزا ہادی نے تزک جہانگیری کے خاتمہ میں ایک عورت کی بہادری کا عجیب واقعہ لکھا ہے گو اس کے اخلاق کی مذمت بھی کی ہے۔

جہانگیر کے زمانے میں دولت آباد کا قلعہ نظام الملک سے تعلق رکھتا تھا۔ حمید خاں حبشی نظام الملک کے دربار کا وکیل تھا، اور محل میں بالکل حمید خاں کی بیوی کا عمل دخل تھا، گو یہ ایک معمولی عورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ نظام الملک کے دربار میں اس کا اتنا رسوخ بڑھا کہ جب یہ سوار ہو کر نکلتی تھی تو سرداران فوج و امرائے دولت پیادہ اس کے رکاب میں چلتے تھے، نظام الملک ان دونوں میاں بیوی کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی تھا۔

اسی زمانے میں عادل خاں نے ایک بڑی فوج نظام الملک سے لڑنے کو بھیجی، نظام الملک کو فکر ہوئی کہ اس کے مقابلے میں کس کو بھیجا جائے۔ حمید بیگم نے کہا: ''میں خود جاؤں گی، اگر جیتی، جیتی اور اگر ہاری تو عورتوں کا اعتبار ہی کیا؟'' چناں چہ نظام الملک کی رضامندی سے حمید بیگم فوج لے کر روانہ ہوئی، راستہ بھر اپنے سپاہیوں کو انعام واکرام سے خوش کرتی گئی، جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، تو حمید بیگم خود تمام ہتھیار سے مسلح ہو کر میدان میں آئی اور پہاڑ کی طرح عرصۂ کارزار میں کھڑی رہی اور اس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑاتی رہی کہ تھوڑی ہی دیر میں عادل خان کا شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا کہ تمام ہاتھی اور توپ خانے میدان جنگ میں چھوڑ گیا۔

مرزا کے خاص الفاظ یہ ہیں:

''نقاب بر قامت رعنا افگندہ بر اسپ سوار می شد، و خنجر و شمشیر مرصع بکمر می بست، بعد ازاں کہ تلاقی صفین و محاذات فئتین اتفاق افتاد از علو ہمت و علو جرأت دلیرانہ بالشکر عادل خوانی مصاف دادہ سپاہ سرداران را بقتل و حرب و ضرب ترغیب و تحریص نمودہ قدم مردانگی را ورآں بحر وغا دلجہ (لڑائی) ہیجا چون کوہ استوار برجا داشت وآں غنیم و دشمن عظیم را شکست فاش دادہ جمیع فیلان و توپخانہ را بدست آوردہ سالماً غانماً مراجعت برافراخت۔''

مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ یہ ہے:

عادل شاہی خاندان جس کے دائرہ حکومت کا مرکز شہر بیجا پور تھا، پونجی خاتون اس کے سب سے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ کی بیوی تھی، یوسف عادل شاہ نے ۹۱۶ھ میں وفات پائی، اس کا نابالغ فرزند اسماعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا، کمال خاں دکنی نائب السلطنت مقرر ہوا، گو نام اسماعیل عادل شاہ کا تھا، لیکن سلطنت کمال خاں کرتا تھا، اس کو ایک دن خیال ہوا کہ اس نام کو بھی کیوں نہ مٹا دیا جائے۔

پونجی خاتون کمال خاں کے اس ارادے سے غافل نہ تھی، اس نے کمال خاں کے برطرف کرنے کی کوشش شروع کی، لیکن وہ کیا کر سکتی تھی؟ تمام اعیان دربار و سرداران فوج کمال خاں کے قبضے میں تھے، پونجی خاتون نے اس کے

سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ یا کمال خاں معدوم کر دیا جائے، یا عادل شاہی خاندان معدوم ہو، اس نے موقع دیکھ کر یوسف ترک کو جو اسماعیل عادل شاہ کا کوکہ تھا، کل مراتب سمجھا بجھا کر کمال خاں کے پاس بھیجا، یوسف نے چپ چاپ ایک ہی خنجر میں کمال خاں کا کام تمام کر دیا، یوسف گرفتار ہو گیا، اور آزردہ بھی وہیں ڈھیر کر دیا گیا۔

کمال خاں کی ماں نے اسی وقت کمال خاں کے بیٹے صفدر خاں کو بلا کر معاملے سے خبردار کیا اور کہا: ''ابھی اسماعیل عادل شاہ اور پونجی خاتون کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاؤ، تمام فوج تمہارا ساتھ دے گی۔'' صفدر خاں باپ کی لاش دیکھ کر چاہتا تھا کہ چیخ مارے، ماں نے کہا: ''خبردار کمال کے مرنے کی خبر نہ پھیلے، لوگوں سے جا کر کہہ کہ کمال خاں کہتا ہے، کہ اسماعیل عادل شاہ کا سر چاہیے۔''

پونجی خاتون پہلے سے سمجھتی تھی کہ یہ آفت آنے والی ہے، قلعہ میں اس وقت کمال خاں کی طرف سے تین سو مغل، اور دو تین سو دکنی اور حبشی سپاہی تھے۔ پونجی خاتون نے ان کو بلا کر کہا:

''تم جانتے ہو کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے، اسماعیل ابھی بچہ ہے، کمال خاں ہم کو الگ کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے، تم میں جو عادل شاہی تخت کا وفادار ہو، وہ ہمارے ساتھ قلعہ میں رہے اور ہماری مدد کرے، اور جس کو اپنی جان عزیز ہو وہ قلعہ سے نکل جائے تم دشمنوں کی کثرت سے نہ ڈرو، کمال خاں کو کفرانِ نعمت کی سزا ضرور ملے گی۔''

ظاہر ہے کہ ایسی مایوسی کی حالت میں کمال خاں کو چھوڑ کر کون پونجی خاتون کا ساتھ دیتا۔ تین سو مغلوں سے ڈھائی سو، اور دو تین سو حبشیوں اور دکنیوں میں سے صرف سترہ سپاہیوں نے پونجی خاتون کی معیت گوارا کی، اور باقی قلعہ سے نکل کر صفدر خاں سے مل گئے، پونجی خاتون نے یہ بھی بڑی عقلمندی کی کہ غداروں سے پہلے ہی قلعہ پاک کر لیا، عین موقع پر اگر یہ دشمنوں سے مل جاتے تو کیا ہوتا؟

پونجی خاتون نے پہلے چاروں طرف سے اپنے کو قلعہ بند کر لیا، اور ان ہی دو تین سو سپاہیوں کو محل کی چھت پر کھڑا کر دیا، اور خود پونجی خاتون، دلشاد آغا، یوسف عادل شاہ کی بہن اور چند عورتیں اسماعیل عادل شاہ کے ساتھ تیر و کمان ہاتھ میں لے کر چھت پر کھڑی ہو گئیں۔

صفدر خاں ایک بڑی جمعیت سے قلعہ کی طرف آیا، پونجی خاتون، دلشاد آغا اور سپاہیوں نے صفدر خاں کو تیر اور پتھروں پر دھر لیا اور اتفاق سے اسی وقت مصطفیٰ آقا عادل شاہی خاندان کا ایک قدیم نمک خوار پچاس توپچیوں کو لے کر خاتون کی مدد کو آیا، ان توپچیوں نے اوپر پہنچ کر گولے اڑانے شروع کر دیئے، صفدر خاں اپنی ماں کے حکم سے واپس ہوا کہ بڑی توپیں لگا کر ابھی قلعہ ریزہ ریزہ کر دیا جائے، پونجی خاتون اور عورتوں نے کہا: ''اگر توپیں آ گئیں، تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا، اس سے پہلے کوئی تدبیر بن جائے، تو بن جائے۔'' رائے یہ ہوئی کہ سپاہیوں کو چھپ جانا چاہیے اور تمام عورتیں یہیں کھڑی رہیں، دشمن سمجھیں گے کہ سپاہی ان عورتوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔

چناں چہ ایسا ہی کیا گیا سپاہی سب اِدھر اُدھر چھپ گئے اور عورتیں کھڑی رہیں، غنیم کی جب نظر پڑی تو دیکھا کہ صرف عورتیں ہیں، ان کو ہمت ہوئی اور پلٹ کر انہوں نے دوبارہ حملہ کیا، قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا، عورتوں نے انگلی تک نہ ہلائی، اور کھڑی دیکھتی رہیں، صفدر خاں چاہتا تھا کہ ''پہلا دروازہ'' توڑ کر ''دوسرا دروازہ'' بھی توڑ ڈالے کہ اچانک سپاہیوں نے نکل کر اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن پھر تھم نہ سکے۔

دو تین سو آدمیوں سے فوج کی فوج کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

نظام شاہی خاندان جس نے دکن میں تقریباً سوا سو برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور جس کا دار الحکومت شہر احمد نگر تھا، اس کی ایک شہزادی نے جس دلیری اور استقلال کے ساتھ اکبر اعظم کی فوج کا مقابلہ کیا، وہ قابل حیرت

امر ہے، چاند خاتون نظام شاہی خاندان کی چشم و چراغ اور عادل شاہی خاندان کی بہو تھی، حسین نظام شاہ بحری (احمد نگری) اس کا باپ تھا، اور علی عادل شاہ (بیجاپور) اس کا شوہر تھا، علی عادل شاہ کے مرنے پر بیجاپور سے احمد نگر چلی آئی تھی اور یہیں رہتی تھی۔

اکبر کو جب ہندوستان کی مہمات سے فرصت ملی، تو اس کو تسخیر دکن کی فکر ہوئی شہزادہ مراد اور خانخان اس مہم پر بھیجے گئے، اس وقت تخت احمد نگر پر برہان نظام شاہ جلوہ افروز تھا، نظام شاہ نے صوبہ برار اکبر کو پیش کش کر دیا، لیکن اس معاملہ کے اختتام سے پہلے برہان شاہ کا انتقال ہوگیا، اور برار پر اکبر کا قبضہ نہ ہوسکا، شہزادہ مراد اور خانخاناں موقع کی تاک میں گجرات میں فوج لئے ہوئے بڑے تھے، اسی اثناء میں برہان کا جانشین ابراہیم شاہ امراء کے ہاتھ سے مارا گیا، منجھو خاں وکیل سلطنت اور آہنگ خاں اور اخلاص تینوں میں تخت نشینی کے لئے جھگڑا ہوا، ہر ایک نے اپنا ایک جدا جدا بادشاہ بنالیا۔ آخر آپس کا نفاق بڑھا، اور خون ریزیوں تک نوبت پہنچی، منجھو خاں نے جل کر شہزادہ مراد کو لکھ دیا کہ نظام شاہی کی قوت فنا ہو چکی ہے، آپ ادھر کا رخ کیجئے، میں بلا تامل احمد نگر کا قلعہ آپ کے حوالے کر دوں گا، مراد چل کر کھڑا ہوا، خانخاناں بھی شاہ رخ مرزا والی بدخشاں، شہباز خاں راجہ جگن ناتھ، راجہ درگا، راجہ رام چندر، اور دیگر امراء کو لے کر روانہ ہوا، جب یہ لوگ احمد نگر کے قریب پہنچ گئے تو منجھو خاں کو اپنی عجلت کاری پر سخت ندامت ہوئی، کیوں کہ اس اثنا میں منجھو خاں تمام مخالف قوتوں کو دبا کر خود مختار ہو چکا تھا، ناچار قلعہ چھوڑ کر نکل گیا۔

چاند خاتون نے دیکھا کہ ہماری آبائی حکومت معدوم ہوا چاہتی ہے، اس نے عزم کرلیا کہ جس طرح ہوگا میں سلطنت کو بچاؤں گی، اس نے خود پہلے اپنے بعض مخالف امرا کو قلعہ سے علیحدہ کر دیا، اور بعض کو توڑ جوڑ کر کے ملالیا، قطب شاہ (گولکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کی، اور قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے شہزادہ مراد اور خانخاناں کی منتظر رہی۔

شہزادہ مراد نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۰۰۴ھ کو اپنی فوج قلعہ کی طرف بڑھائی، چاند خاتون نے بھی حکم دیا کہ ہماری توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں، تمام دن مراد کوشش کرتا رہا کہ قلعہ تک پہنچ جائے مگر چاند خاتون نے ایک دم بھی آگے بڑھنے نہ دیا، شام کو مراد تھک کر خود ہٹ گیا۔

دوسرے دن شہزادہ مراد، شاہ رخ مرزا، خانخاناں، شہباز خاں، راجہ جگن ناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، بعض نظام شاہی امراء نے لڑ بھڑ کر چاند خاتون کی مدد کو قلعہ میں جانا چاہا، مگر خانخاناں نے جانے نہ دیا، شہزادہ مراد اور خانخاناں مہینوں قلعہ کا محاصرہ کئے پڑے رہے، مگر وہ قلعہ کو ٹھیس بھی نہ لگا سکے۔

ادھر چاند خاتون کی حسبِ درخواست عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار چاند خاتون کی مدد کو بھیجے۔ قطب شاہ نے بھی پانچ چھ ہزار سوار اور کچھ پیادے روانہ کئے، منجھو خاں، اخلاص خاں، آہنگ خاں امرائے نظام شاہی بھی اسی فوج کے ساتھ ہوگئے، غرض اس طرح مل ملا کر ایک زبردست فوج تیار ہوگئی، شہزادہ مراد کو اس فوج کا جب حال معلوم ہوا تو گھبرا گیا، تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی، آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے قلعہ لے لینا چاہئے، یوں لڑ کر قلعہ میں گھس جانا تو ممکن نہ تھا، تین مہینے میں یہاں سے لے کر قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودی گئیں، اور ان میں بارود بچھادی گئی کہ آگ لگا کر قلعہ اڑا دیا جائے گا۔

چاند خاتون کو ان سرنگوں کی خبر لگ گئی، اس نے اسی وقت بارود نکال کر سرنگوں کو بھرنا شروع کر دیا، شہزادہ مراد کو تو اس کی جلدی تھی کہ اس قلعہ کی فتح میرے نام لکھی جائے، خانخاناں کا اس میں ہاتھ بھی نہ لگنے پائے، دوپہر کو خانخاناں کے سوا تمام امراء اور فوج کو لے کر قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہوگیا، کہ اِدھر بارود سے قلعہ اڑا اور اُدھر پہنچا۔

چاند خاتون اس وقت تک دو سرنگیں بھروا چکی تھی اور تیسری کھودی جارہی تھی کہ شہزادہ مراد نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا، اس زور کی ایک آواز ہوئی اور ایک دھماکہ ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا، یا بجلی ٹوٹ پڑی اور قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر پڑی، سامنے شہزادہ اپنے خونخوار راجپوتوں اور مغلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا، قیامت ہوگئی لوگوں کے دل بیٹھ گئے، کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا، سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوج کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے، غرض سارے قلعہ میں عجیب سراسمیگی اور بدحواسی پھیل گئی۔

چاند خاتون کی ہمت دیکھو، اسی وقت گھوڑے پر سوار، مسلح ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے سراپردہ سے باہر نکل آئی۔ شہزادہ مراد اس فکر میں تھا کہ دو باقی سرنگیں بھی اڑیں تو حملہ کیا جائے، لیکن وہ سرنگیں ہوں بھی، چاند خاتون نے اتنی ہی دیر میں جلدی جلدی کر کے بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں کھڑی کر دیں، تمام فوج کو تسکین دے کر پھر لڑنے پر آمادہ کر دیا، مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ کر حملے کئے، شہزادہ مراد سر پٹک پٹک مارا، مگر چاند خاتون نے ایک انچ بھی قلعہ نہ دیا اور اس ہمت اور دلیری سے فوج کو لڑاتی رہی کہ قلعہ کی خندق شام تک مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی، شام کو شہزادہ ناکام پلٹا اور رات بھر میں چاند خاتون نے خود مسلح کھڑی ہو کر پچاس گز قلعہ کی دیوار تین گز بلند کردی، صبح کو مراد نے دیکھا تو پھر وہی پہلی دیوار حائل تھی، موافق اور مخالف دونوں کے منہ سے چاند خاتون کی اس اولعزمی استقلال اور بہادری پر صدائے آفریں و تحسین بلند ہوگئی، اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہوگیا۔

اس ناکامیابی سے شہزادہ مراد کا دل چھوٹ گیا، امرائے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی، ناچار صلح کرنی چاہی، اول تو چاند سلطان نے انکار کیا، کہ غنیم بے دل ہو چکے ہیں، تھوڑی سی کوشش سے ان کو ہزیمت ہو سکتی ہے، لیکن چوں کہ لوگ قلعہ میں بند بند گھبرا گئے تھے اس لئے چاند سلطان نے بھی آخر صلح منظور کر لی اور جب قرارداد برار کا صوبہ شہزادہ مراد کے حوالہ کر دیا۔

غور کرو! کیا اس سے بھی زیادہ کسی عورت کی بہادری ہو سکتی ہے، سلطنت کی بنیاد کمزور امراء میں نفاق اور خانہ جنگی، قلعہ میں فوج نہیں، سامان رسد نہیں، قلعہ کی دیواریں شکستہ اور منہدم، پہلے سے حفاظت قلعہ کا خیال نہیں، اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخاناں سے ایسی حالت میں غنیم کو ہٹا کر قلعہ کو بچا لینا مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

ہم نے اپنی یہ داستان جس سرزمین اقدس سے شروع کی تھی، آخر میں ہم پھر اسی کے ایک گوشہ میں آکر پناہ لیتے ہیں، یہ گوشۂ عرب یمن کے نام سے مشہور ہے پانچویں صدی ہجری کے وسط میں یہ علاقہ خلافت عباسیہ کے احاطہ اقتدار سے نکل کر دولتِ فاطمیہ مصر کے قبضہ میں چلا گیا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ یمن میں ایک مقام خرار ہے، وہاں مشہور قدیم قاآں کا خاندان تھا جو آل صلیح کے نام سے مشہور تھا، وہاں فاطمیوں کی طرف سے ایک داعی زیاد مبلغ پہنچا، اس نے اس خاندان کے ایک نوجوان لڑکے میں نجابت اور اولوالعزمی کے غیر معمولی آثار دیکھ کر اس کو اپنے رنگ میں لانا شروع کیا، اور اسماعیلی مذہب کی اس کو تلقین کی، اس کا نام علی بن محمد صلیحی تھا، علی نے جوان ہو کر حوصلہ مندیوں اور اولعزمیوں کے بر و بال پیدا کئے، علی کی ایک چچازاد بہن تھی جس کا نام اسماء تھا، یہ لڑکی حسن و جمال، تدبیر و دانش، علم و فضل، مردانگی و شجاعت میں بے مثال تھی، علی کی شادی اسماء سے ہوئی، قدرتِ الٰہی نے اس طرح گویا دو قوتوں کو باہم منضم کر کے یمن کی آئندہ قسمت کا ہیولی تیار کر دیا، اور ان دونوں کی ہمتوں اور تدبیروں سے پورا ملک یمن ان کے قبضہ اختیار میں آگیا۔

علی صلیحی کو دشمنوں سے جو معرکے پیش آئے اس میں اسماء اس کی دست و بازو تھیں، ایک دفعہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف کوچ کر رہی تھی کہ دفعۃً دشمنوں نے چھاپا مارا، صلیحی کے ساتھ آدمی کم تھے، اس کو شکست ہوئی، اور اسماء دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی۔

ایک زمانہ تک ان کے پاس قید رہی اور بالآخر خود اپنی ہی تدبیروں سے قید و بند کے دروازے کو توڑ کر باہر نکل آئی، اس نے سخت چوکی پہرہ کے باوجود روٹی کے اندر ایک خط رکھ کر قاصد کو جو ایک سائل کی صورت میں تھا، اپنے بیٹے کے پاس روانہ کیا، وہ ایک فوج گراں لے کر موقع پر آ پہنچا اور اسماء آزاد تھی، جب تک زندہ رہی یمن کی ملکہ وہی تھی، ۴۷۹ھ میں اس نے وفات پائی۔

اسماء کے آغوش تربیت میں دو اور بہادر خاتونانِ اسلام پل کر جوان ہوئیں، ایک اس کی لڑکی فاطمہ اور دوسری اس کی بہو سیدہ فاطمہ نے تو اپنے شوہر کی قید سے جس نے دوسری شادی کر لی تھی، مردانہ وار گلو خلاصی حاصل کی، چپکے سے اپنی ماں کو پیغام بھیجا، اور وہاں سے فوج منگوا کر مردانہ بھیس بدل کر چل کھڑی ہوئی۔

سیدہ اپنی ساس اسماء کی وفات کے بعد یمن کی ملکہ ہوئی، اس کا شوہر مکرم عیاش اور راحت طلب تھا، سیدہ نے سلطنت کے بار کو نہایت عمدگی سے اٹھایا، بہت سی عمارتیں بنوائیں، شہر آباد کئے، فوج کشیاں کیں، دشمنوں کو تلواروں اور تدبیروں دونوں سے زیر کیا، دولت فاطمہ کی طرف سے جو مراسلے آتے تھے ان میں اس کے لئے بڑے بڑے القاب شاہی استعمال کئے جاتے تھے۔

ابھی ہم کو بیسیوں اسلامی ممالک اور سیکڑوں اسلامی شاہی خاندانوں کے تاریخی اوراق الٹنے باقی ہیں، ایران و ترکستان و روم و افریقہ و مراکش و اندلس کے اسلامی خاندانوں کی بہادر خواتین کے حالات کے متعلق اس مختصر رسالہ میں نہیں آئے، حالاں کہ ان ملکوں اور خاندانوں میں بہادر خواتین اسلام کی کمی نہیں، لیکن افسوس کہ وہ میرے ضروری کاموں کی مصروفیت مزید تفصیل کی اجازت نہیں دیتی، مگر جاتے جاتے ہم خواتین اسلام کی ایک روحانی شجاعت و بہادری کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو اس جسمانی شجاعت و بہادری سے بدرجہا بلند و برتر ہے، اس سے مراد ان کی اخلاقی و روحانی شجاعت و جرأت ہے۔

آغازِ اسلام میں متعدد مسلمان خواتین نے اپنے دین و ایمان کی خاطر سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائی ہیں، مگر کبھی جادۂ حق سے روگردانی نہیں کی، سمیہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ مشہور صحابی کی والدہ تھیں، ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں ایسی برچھی ماری کہ وہ جان بر نہ ہو سکیں۔

اُمّ فکیہہؓ ایک صحابیہ تھیں، حضرت عمرؓ اپنے اسلام سے پہلے ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کھا کر تجھ کو نہیں چھوڑا ہے، بل کہ اس لئے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں، وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ''عمر اگر تم مسلمان نہ ہوگے تو خدا تم سے ان بے رحمیوں کا انتقام لے گا۔'' زنیرہؓ ایک اور صحابیہ تھیں، وہ بھی اسلام کی راہ میں بے حد ستائی گئیں، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

نہدیہ اور اُمّ عبیس یہ دونوں بھی صحابیہ تھیں، یہ بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب بنوامیہ کے مقابلے میں حجاز میں اپنی خلافت قائم کی، اور حجاج نے ان پر بڑے سروسامان سے فوج کشی کی، تو ان کے رفقاء نے ان سے علیحدہ ہونا شروع کر دیا، مخلصوں کی ایک بہت چھوٹی سی جماعت ان کے ساتھ رہ گئی، اس وقت حضرت ابن زبیر گھبرا کر اپنی ماں، حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور اجازت طلب کی کہ اگر مناسب ہو تو میں حجاج سے صلح کر لوں۔

بہادر ماں نے جواب دیا: فرزند من! اگر تم باطل پر ہو تو آج سے بہت پہلے تم کو صلح کر لینی چاہئے تھی، اور اگر حق پر ہو تو رفقاء کی کمی سے دل برداشتہ نہ ہو، حق کی رفاقت خود کیا کم نصرت ہے۔"

ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے واپس آئے اور تمام ہتھیاروں سے سج کر ماں سے رخصت ہونے آئے، ماں نے سینہ سے لگایا تو جسم بہت سخت نظر آیا، پوچھا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا: میں نے دوہری زرہ پہن لی ہے، بولیں یہ شہدائے حق کا شیوہ نہیں، ابن زبیرؓ نے زرہ اتار ڈالی، پھر کہا: مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں، ماں نے جواب دیا "بیٹا! جب بکری ذبح ہو جاتی ہے تو اس کو کھال کھینچنے کی تکلیف نہیں ہوتی اور اس طرح ماں نے بیٹے کو مقتل میں بھیجا، اور حق وصداقت کی قربان گاہ پر اپنے لختِ جگر کو نثار کر دیا۔"

حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو برسرِ راہ سولی پر لٹکا دیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت اسماءؓ کا جب ادھر سے گزر ہوا تو بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی نظر آئی، کون ایسی ماں ہوگی جو اس پر اثر منظر کو دیکھ کر تڑپ نہ جائے گی، لیکن وہ نہایت بے پروائی کے ساتھ ادھر سے گزر گئیں، اور لٹکی لاش کی طرف اشارہ کر کے یہ بلیغ فقرہ کہا: "کیا اب تک یہ سوار اپنے گھوڑے سے اترا نہیں۔"

اس روحانی شجاعت، اخلاقی جرأت، اور بے مثال صبر واستقلال کا نمونہ کہاں نظر آ سکتا ہے؟

ناظرین سے رخصت ہو کے اس منظر کو ان کے سامنے کرتے جاتے ہیں، جب غرناطہ کا آخری سلطان ابوعبداللہ اپنے آخری قلعہ کی کنجیاں، عیسائی فاتحوں کے سپرد کر رہا تھا، اور اپنی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اس سرزمین پر جہاں مسلمانوں نے ۶۰۰ برس حکومت کی، آخری نظر ڈالتے ہوئے آنسوؤں کے تار اس کی دونوں آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں، اس وقت سلطان کی والدہ عائشہ آگے بڑھ کر کہتی ہیں: "فرزند من، جس چیز کو تم مرد بن کر نہ بچا سکے اب اس کے لئے عورتوں کی طرح خوب رو لو۔" اس ایک فقرہ میں استقلال وجرأت کی کتنی روح بھری ہے۔

یہ گذشتہ بہادر خواتین اسلام کے کارناموں کا ایک دھندلا سا خاکہ تھا، اب سوال یہ ہے کہ موجودہ خواتین اسلام آئندہ کی تاریخ اسلام کے لئے کیا کارنامہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتی ہیں؟

دس سنہرے اقوال

☆ چھپتاوہ ہے جس میں کوئی عیب ہو ☆ روتا وہ ہے جو دکھی ہو ☆ خاموش وہ رہتا ہے جو کم گو ہو ☆ شاعری وہ کرتا ہے جو کسی سے متاثر ہوا ہو ☆ دعا وہ کرتا ہے جس کو کوئی آرزو ہو ☆ غرور وہ کرتا ہے جس میں کوئی خوبی ہو ☆ ترقی وہ کرتا ہے جس میں حوصلہ ہو ☆ ایسی نیکی کرو جس سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فیض پہنچے ☆ موت مؤمن کا تحفہ ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز باعظمت نہیں۔

پانی

پانی آسمان کی طرف اُٹھے تو "بھاپ" آسمان سے نیچے آئے تو "بارش" جم کر گرے تو "اولے" گر کر جمے تو "برف" پھول کی پتی پر ہو تو "شبنم" پتی سے نکلے تو "عرق" جمع ہو جائے تو "جھیل" بہ پڑے تو "ندی" آنکھوں سے نکلے تو "آنسو" جسم سے نکلے تو "پسینہ" حضرت اسماعیلؑ کے قدموں سے نکلے تو "آبِ زمزم" اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے نکلے تو "آبِ وثر"